اصلاحِ معاشرہ، اسلاف کی پیروی کی ضرورت

مولانا قاسم عبداللہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:......"نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں باہم تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی میں اعانت مت کرو۔"
اسلام کے ابدی اور سرمدی پیغام میں یہ بڑا اہم اصول تھا اور ہے کہ تعاون علی الخیر کی راہ اختیار کی جائے، بلکہ اسلام نے تو ﴿سابقوا بالخیرات﴾ کا حکم دیا کہ ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور جن باتوں کو قرآن نے منہیات میں شمار کیا، ان سے بچنا ہمارا فرض تھا، نہی عن المنکر یہی ہے۔

لیکن آج ہمارے سامنے اس دھڑلے سے برائی اور فسق وفجور ہو رہا ہے کہ خدا کی پناہ! درحقیقت منبع خیر حکومت ہوا کرتی ہے، نیکی کا رواج اور تنفیذ حکومت کا فرض ہے، مسلم معاشرہ میں نیکی کا رواج اور برائی کا خاتمہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

الـذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلاۃ......(الایۃ) سورۂ حج کی اس آیت میں یہی فرمایا کہ جن کو ہم طاقت دیتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں، سربراہ حکومت، چاہے اس کا نام امیر المومنین ہو یا صدر و وزیر اعظم، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا اور کرانا ان کی ذمہ داری ہے اور اگر وہ صحیح عمل کرے تو اس کے ساتھ تعاون ہمارا فرض ہے اور ایسا نہ ہو تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات کہ انہوں نے پہلے خطبہ میں خلیفہ بننے کے بعد فرمایا: "اگر میں کتاب وسنت کی اتباع کروں تو تم میرا کہا مانو اور اگر میں بھٹک جاؤں تو میری اصلاح کرو، مجھے سیدھا کرو۔"

گویا حکمران کی اتباع اور انقیاد ہی فرض نہیں، بلکہ ایک وقت آتا ہے کہ اس کی اصلاح بھی فرض ہو جاتی ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی متنبہ فرما دیا۔ برصغیر کی تاریخ میں اور پھر پاکستان بننے کے بعد ہمارے اہل اللہ اور علماء وصلحاء نے یہی فریضہ سرانجام دیا کہ حکومت پر نگاہ رکھی اور جب دیکھتے کہ حکومت غلطی کر رہی ہے تو اصلاح کی غرض سے اسے ٹوک دیتے، عوام کو ان کے ساتھ گرویدگی اور محبت ہوتی ہے، اس لئے حکمران ان کی احتسابی طاقت سے

ڈرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ محض مجنون کی بڑ نہیں بلکہ اس کے پیچھے عوامی طاقت ہے، اس لئے حکمران ان سے ڈرتے اور ہر ممکن ان کے مشوروں پر عمل کرتے، ان کی نشاندہی پر اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے رہے ہیں۔

سلطان نظام الدین اولیاءؒ کو خلجی نے کوئی ایسی جاگیر اور قطعہ دینا چاہا جس سے لنگر وغیرہ کا خرچ چل سکے، تو آپ نے فرمایا کہ میری اور متعلقین واحباب کی روزی کا جب اللہ رب العزت ذمہ دار ہے اور جب خدا نے مجھے اپنی ذات پر اعتماد کی توفیق نصیب فرمائی ہے تو میں کسی انسان سے اس قسم کی امید کیونکر وابستہ رکھوں، خدا سے ہٹ کر کسی دوسرے کی طرف نگاہ لگاؤں، یہ کیسے جائز ہے؟

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو حکمران نے اشرفیوں کا تھیلا بھیجا تو آپ نے فرمایا: ''یہ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے، تم اس حرام کی کمائی میں اور اس ظلماً ہتھیائی ہوئی دولت میں مجھے بھی شریک کرنا چاہتے ہو؟ مجھے بھیجنے کے بجائے یہ ظلم سے وصول کردہ ٹیکس ان کو واپس کردو۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حکمرانوں کے پاس جانا پسند نہ کرتے اور جب ان کے پاس کوئی آنا چاہتا تو اٹھ کر اندر چلے جاتے، اٹھ کر اندر اس لئے چلے جاتے کہ جب وہ آئیں تو مجھے ان کی تعظیم نہ کرنی پڑے، ہاں جب وہ بیٹھ جاتے تو پھر اندر سے تشریف لاتے، اب وہ بادشاہ اٹھے، نہ اٹھے اس کی مرضی، بہرحال آپ آکر بیٹھ جاتے۔ اس سے اس بحث سے بچنا بھی مقصود تھا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیسا متکبر درویش ہے جو آداب شاہی سے بھی واقف نہیں؟ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ کا واقعہ ہے کہ انہیں قلعہ گوالیار میں بند کردیا گیا کہ انہوں نے آداب شاہی کو ملحوظ نہ رکھا، جو بالکل غلط تھے، جن میں سجدہ تعظیمی وغیرہ شامل تھا، بادشاہ نے حیلہ کیا کہ ایسی کھڑکی سے بلوایا جس کے اندر آنے میں خواہ مخواہ جھکنا پڑے، لیکن آپ سمجھ گئے کہ یہ مجھے طاغوت کے سامنے جھکانا چاہتے ہیں اور جو گردن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکی، وہ کیسے جھک سکتی تھی؟

جہانگیر نے حیلہ کیا تو آپ نے بھی کھڑکی میں بیٹھ کر پہلے پاؤں باہر کو نکالے، پھر ادھر کا دھڑ، اسی کے متعلق اقبال نے کہا ہے:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

تو ذکر اہل اللہ اور ان کی قوت احتساب کا ہو رہا تھا، دیکھئے ان لوگوں سے دنیا گھبراتی تھی، انہیں کسی چیز سے تعلق نہ تھا، ہاں حدود الٰہی کا تحفظ ضروری سمجھتے، کمی کوتاہی دیکھتے تو ٹوکتے، اسی وجہ سے حکمران ان سے ڈرتے اور خوف کھاتے اور ساتھ ساتھ ان کا احترام بھی کرتے۔

جب اللہ والے غیرت مندانہ کردار ادا کرتے تو حکمرانوں کے دل میں خوف ہوتا، وہ گھبراتے، احترام کرتے، جیسا کہ مجدد صاحب کو بعد میں جہانگیر نے چھوڑا، معافی مانگی، بلکہ دین الٰہی کی جو رواداریاں تھیں، جن سے احکام وشعائر اسلامی کی پامالی ہو رہی تھی، ان کا علاج کرایا اور سجدہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرایا، یہ شرطیں تھیں، جب یہ مانی گئیں تب جیل سے باہر تشریف لائے۔

یہ ایک حضرت مجدد صاحب پر منحصر نہیں، بلکہ ہندوستان میں سب اہل اللہ نے یہی کردار ادا کیا، جس کی وجہ سے

الحمدللہ سرمایہ حیات محفوظ ہے اور کسی نہ کسی درجہ میں نام خدالیا جارہا ہے، خدانخواستہ اگر یہ لوگ آج کی طرح خاموشی سے بیٹھ جاتے تو جو حشر ہوتا، اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت مجدد صاحبؒ کے بعد تشریف لائے، وہاں نمائشی حکومت مغلوں کی تھی، ایسٹ انڈیا کمپنی نے ادھم مچا رکھا تھا، ادھر مرہٹے وغیرہ فساد کررہے تھے تو حضرت شاہ صاحب نے اصلاح کا کام شروع فرمایا، نواب مجیب الدولہ کی معرفت احمد شاہ ابدالی کو خط لکھوایا جس نے یہاں آکر پانی پت کے میدان میں مرہٹو کی طاقت کو غارت کیا اور انہیں موت کی نیند سلا کران کے فتنہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔

افسوس یہ ہے کہ اس کے بعد بھی مسلمان حکومت نہ سنبھلی، اس پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا، اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے منظم جدوجہد کا آغاز کیا اور یہی میں نے ابتداء میں کہا کہ علماء نے اپنی ذمہ داریوں سے کبھی پہلوتی نہیں کی اور انگریزی دور میں تو ''افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر '' پر اور زیادہ قوت سے عمل کیا، اگر ان کے پاس طاقت ہوتی تو طاقت سے اس کو مٹا ڈالتے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، اس کی طاقت نہیں تو پھر فبلسانه کا درجہ ہے اور علماء نے ہمیشہ یہ فریضہ سرانجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں تاجداروں، شاہوں کے ہاتھوں نہیں آیا، اہل اللہ اور صوفیاء کے ہاتھوں آیا، حضرت علی ہجویریؒ کا دور ابتدا کا ہے، چوتھی صدی ہجری میں جب وہ آئے تو یہاں کفرستان تھا، برائے نام اسلام تھا، سید علی ہجویریؒ کا انتقال ہوا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نوعمری میں تھے اور ان کا انتقال ہوا تو خواجہ اجمیری ۲۴/۲۵ سال کے تھے۔ اس وقت جبکہ پاکستان و ہندوستان کے علاقوں میں حکمران ابھی تیغ آزمائی میں مصروف تھے، صوفیاء نے ہندوستان میں اسلام کی عظمت کو چار چاند لگائے ہوئے تھے، تاریخ اٹھا کر دیکھئے، کبھی محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ جیسے سپہ سالاروں اور بادشاہوں نے کسی کو کلمہ نہیں پڑھایا، بلکہ معین الدین اجمیریؒ، علی ہجویریؒ اور ان کے نام لیواؤں اور پیروکاروں نے کلمہ پڑھانے کا فریضہ انجام دیا، ان کے پاس کوئی طاقت، فوج اور قوت و اسلحہ نہ تھا کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناتے اور اسلام تو ویسے بھی جبراً کسی کو مسلمان بنانے کے خلاف ہے۔ ﴿لا اكراه فى الدين قدتبين الرشد من الغى﴾

حق و باطل کو اللہ نے آشکارا کردیا، اسلام نے جن اخلاق کریمانہ کے اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، ان کو اپنانے، محبت و پیار اور اخوت و مودت سے لوگوں کے دلوں میں اتر جائے تو اسلام کو لوگ مسلمانوں کے کردار اور عمل کو دیکھ کر خود بخود قبول کرنے لگیں گے اور یہ کام صوفیاء کرام نے بہترین طریق سے سرانجام دیا، حکمرانوں اور سلاطین نے بھی صوفیاء کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے کسی کو بزور بازو کلمہ نہیں پڑھایا، اگر محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ جیسے لوگ تلوار سے کلمہ پڑھانا شروع کردیتے تو آج یورپ میں مسلمانوں کے خلاف جو شدومد سے پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو درست ثابت ہوجاتا لیکن الحمدللہ مسلمان حکمرانوں اور صوفیاء کرام کا دامن اس دھبہ سے پاک صاف ہے، اسلام سربلند ہے اور سربلند رہے گا......☆